اخلاق اور معاش کا باہم تعلق

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کی تصنیفات کی روشنی میں ایک جائزہ

Interrelationship between morality and Economy A review in the light of the writings of Maulana Hufzur Rehman Siwaharvi

Dr Umme Salma
Lecturer, Institute of Education and Research,
University of the Punjab, Lahore
Email: ummesalma.ier@pu.edu.pk

Abstract
Maulana was one of those great personalities who play an important role in the history of nations, his personality was very comprehensive, his achievements are many, and he was also a famous political leader and a prominent scholar of religion and a passionate writer. He was also the author of several scholarly books and the indelible impressions of his writings are still there today, He proved the superiority of Islam's system of ethics over other systems of ethics in the book "Ethics and Philosophy of Ethics" and proved that Islam's system of ethics is the most comprehensive and a guide for us in every field of life in every period of life. Will continue to give. The reformation of both the economy and ethics is possible only by the reformation of ethics. Unless the reformation of ethics is possible and the reformation of ethics is impossible until the reformation of the economy is not done. Ethics has a great influence in economic business, the education of ethics. In the society, there are demonstrations of self-sacrifice, sacrificial debt, good deeds and trustworthiness, it is necessary to have moral qualities for the implementation of economic reforms, Along with the economic system for the improvement of morals, it is very important to enforce political ethics because it is the government's responsibility to manage and control the economy. It is very important to follow the economic teachings of Islam to reform politics.
Keywords: Ethics, Philosophy, self-sacrifice, Economic, morals, reform

"بلاشبہ دارالعلوم دیوبند کے اس قیام نے آپ کی اعلی قابلیت کو چار چاند لگا دیئے اور آپ کی صلاحیتوں میں نکھار آتا چلا گیا، مدرسہ فیض عام میں تکمیل تعلیم کے بعد آپ نے دار لعلوم دیوبند سے فیض حاصل کرنے کا ارادہ کیا"۔[1] "دار لعلوم دیوبند کی شہرت اور وہاں کے اساتذہ و شیوخ کی کشش دیر سے آپ کو کھینچ رہی تھی، تحریک

خلافت کے بحرانی دور کے خاتمہ کے بعد آپ اپنے علم کی تشنگی کو بجھانے کے لئے عظیم جامعہ دارلعلوم دیوبند میں داخل ہو گئے اور وہاں پہنچتے ہی اپنا مقام پیدا کر لیا اور آپ چند دنوں میں علامہ انور شاہ کاشمیری کے معتمد اور مخصوص تلامذہ میں شمار ہونے لگے "۔[2]

1928ء" میں آپ ڈابھیل تشریف لے گئے اور وہاں اپنے اساتذہ حضرت مولانا انور شاہ کے ساتھ درس و تدریس میں مشغول ہوگئے وہاں آپ دو سال مقیم رہے وہیں سے مولانا نے اپنے زور بیان اور ترجمہ قرآن شریف کے ساتھ ساتھ تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا جسے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور ایک مستقل ادارہ کے قیام کی بات لوگوں کے مشورے سے سامنے آئی مولانا نے فیصلہ کیا کہ یہ ادارہ دہلی میں قائم کیا جائے چناچہ 1938ء میں دہلی چلے آئے، ندوۃ المصنفین کی بنیاد ڈالی جو آج تک قائم ہے "۔[3]

"ندوۃ المصنفین" قائم ہوا اور حضرت حجۃ الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانا توویؒ کے اندازے فکر و نظر پر وقت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسلام کے احکام کی تشریح و تعبیر اور مستشرقین مغرب ریسرچ ورک کے پردہ میں اسلامی علوم و روایات اور اسلامی تہذیب و تمدن پر جو ناروا حملے کرتے رہتے ہیں ان کی مدلل تردید اس کا مقصد قرار پایا"۔[4]

تصنیفی خدمات:

آپ علمی خدمات میں بھی پیش پیش رہے آپ نے مندرجہ ذیل کتب تحریر کیں رسول کریم ﷺ، قصص القرآن، اسلام کا اقتصادی نظام، اخلاق اور فلسفہ اخلاق اور البلاغ المبین۔

قصص القرآن:

قصص القرآن کے چار حصے ہیں اور پوری کتاب بڑی تقطیع کے ساتھ 1784 صفحات پر مشتمل ہے اس کے اندر حضرت آدمؑ سے لیکر نبی آخر الزمان ﷺ تک کے حالات زندگی بیان کئے گئے ہیں۔

اسلام کا اقتصادی نظام:

اس کے اندر مسلمانوں کے معاشی نظام کو قرآن وسنت کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، اور معاشی سرگرمیوں اور اخلاقیات کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے، اور اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام کے معاشی نظام کی بنیادیں فلسفہ اخلاق پر استوار ہیں۔

اخلاق اور فلسفہ اخلاق:

یہ اہم تصنیفی کاوش ہے "اخلاقیات "اسلام کے جامع نظام زندگی کا ایک اہم باب ہے آپ نے اس

موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔اخلاقیات معاشرتی زندگی کا اہم ترین شعبہ ہے ،قوموں کی قدرومنزلت کا معیار اخلاقیات کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے ،جو مہذب و متمدن قوم ہو گی ،یقینا اخلاقیات کے اعلیٰ مرتبہ پر ہو گی اور جو قوم غیر مہذب اور زوال پذیر ہو گی اعلیٰ مراتب پر فائز ہو گی اور جو قوم غیر مہذب اور زوال پذیر ہو گی اعلیٰ اخلاقیات کے درجات سے گرتی جائے گی ،اخلاقیات معاشرتی اصلاح کے لئے اتنی اہم ہے جتنی آخرت کی فلاح کے لئے ضروری ہے، یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے ،ہر حصہ ایک الگ بحث پر مشتمل ہے ،علم النفس ،نفسیاتی مباحث، ملکہ ،وجدان ،اور ارادہ وغیرہ حصہ اول کے اہم مباحث ہیں ،دوسرے حصہ میں اخلاق کی تاریخ ،اخلاق کے میعاری نظریات اور اس کے متعلقات بیان ہوئے ہیں ،حصہ سوم اخلاق کے عمل پہلوؤں پر مشتمل ہیں، اسلامی اخلاقی تعلیمات آخری حصہ میں بیان کی گئی ہیں جن کے امتیاز کو دلائل وبراہین کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے

مولانا شاہ معین الدین ندویؒ لکھتے ہیں کہ:

"مولانا کی اہم تصنیف اخلاق اور فلسفہ اخلاق ہے اور اپنے موضوع پر قدیم اور جدید کتابوں میں نمایاں مقام رکھتی ہے ،،بہت علمی اور فلسفیانہ کتاب ہے اس موضوع پر ریسرچ کرنے والوں کے لئے اس سے بہتر کتاب میسر نہیں آسکتی"۔[5]

"پھر جدید تحقیقات علمیہ کے اس دور میں یہ موضوع بھی افکار جدیدہ سے سیر اب ہو رہا ہے ضرورت اس بات کی تھی کہ ان سر چشموں سے بھی موتی چن لئے جائیں اور ان سب کو ایک لڑی میں پرولیا جائے تاکہ انبیاء کرام کی اخلاقی تعلیمات کے لعل و گوہر کی برتری وبہتری آفتاب کی کرنوں کی طرح عالم آشکار ہو جائے ،عالم اسلام میں اس طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے اور اردو زبان کا دامن تو اس گوہر مقصود سے بالکل خالی ہی تھا، مولانا سیوہاروی نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے قلم اٹھایا اور اس کا حق ادا کر دیا"۔[6]

"اس کتاب میں قدیم و جدید ،مذہبی دنیوی تمام نظریات کا نچوڑ ہے اور اخلاقیات کے سلسلہ میں قدیم وجدید نظریات پر نہ صرف سیر حاصل تبصرہ ہے بلکہ اہم علمی تنقید بھی ہے ،پھر اسلام کے اخلاقی نظام کو پیش کیا گیا ہے بعض مباحث مثلا مباحث نفس، نفسانیت ماحول، کردار اور اس کے مبادیات وغیرہ اپنی خاص قدر و قیمت رکھتے ہیں ،اسلام کے اخلاقی نظام کے سلسلہ میں اخلاق فاضلہ ،خیر وشر ،نفس ،روح کی حقیقت ،عملی اخلاق وغیرہ کے مباحث خالص فنی اور تحقیقی انداز میں ہیں اور قرآن وحدیث سے استدلال بھی[7] پیش کیا گیا ہے"۔[8]

"طویل سیاسی جدوجہد کے ساتھ جس کا مزاج علمی کاموں اور تحقیق و تصنیف سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا' انہوں نے اپنے علمی ذوق 'تصنیف و تحقیق کی صلاحیت اور لکھنے پڑھنے سے کنارہ کشی اختیار نہیں کی' وہ ندوۃ المصنفین

دہلی کے بانیوں اور مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے نہ صرف شریک کار اور ندوۃ المصنفین کے ایک معمار تھے' بلکہ ان دونوں حضرات کو ان سے تقویت اور ندوۃ المصنفین کو ان سے اعتبار وعزت حاصل تھی'اس سلسلے میں ان کی دو تصنیفات ایک تو "قصص القرآن" دوسرے "اسلام کا اقتصادی نظام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اردو میں ہمارے علم میں قصص القرآن'انبیاء علیہم السلام کی سوانح حیات اور ان کی دعوت حق کی مستند تاریخ وتفسیر (جو قرآن مجید کے گہرے مطالعے اور کتب قدیم اور جدید تحقیقات کی مدد سے مرتب کی گئی ہے)اس سے پہلے نہیں تھی"۔[9]

نظریہ اخلاق:

اسلامی فلسفہ اخلاق کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک مکمل اخلاقی نظام ہے اور انسان کو حسن وقبیح کے علم کا مستقل ذریعہ بھی دیتا ہے اسلام نے علم اخلاق کو محض عقل یا خواہشات یا تجربے یا علوم انسانی پر منحصر نہیں کر دیا ہے کہ ہمیشہ انکے بدلتے ہوئے فیصلوں سے اخلاقی احکام بھی بدلتے رہیں، اور انہیں کوئی پائیداری نصیب نہ ہو سکے بلکہ اسلام ہمیں ایک متعین مآخذ دیتا ہے یعنی خدائی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت جس سے ہمیں ہر حال اور زمانے میں اخلاقی ہدایات ملتی ہیں اور یہ ہدایات ایسی ہیں کہ خانگی زندگی کے چھوٹے سے چھوٹے معاملات سے لے کر بین الاقوامی سیاست کے بڑے بڑے مسائل تک زندگی کے ہر پہلو اور ہر شعبے میں وہ ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

اخلاق کے معنی:

"جو علم برائی اور بھلائی کی حقیقت کو ظاہر کرے،انسانوں کو آپس میں کس طرح معاملہ کرنا چاہئے اس کو بیان کرے،لوگوں کو اپنے اعمال میں کس منتہائے غرض اور مقصد عظمی کو پیش نظر رکھنا چاہیے اس کو واضح کرے اور مفید اور کارآمد باتوں کے لئے دلیل راہ بنے،علم لاخلاق کہتا ہے"۔[10]

علم الاخلاق کا موضوع:

علم الاخلاق لوگوں کے اعمال سے اس طور پر بحث کرتا ہے کہ ان پر اچھے یا برے ہونے کا حکم لگائے مگر یہ بھی معلوم ہے کہ ہر عمل میں یہ صلاحیت نہیں کہ اس پر یہ حکم لگایا جاسکے چناچہ اس ضمن میں حفظ الرحمن سیوہاروی لکھتے ہیں:

"علم الاخلاق کا موضوع دو قسم کے اعمال ہیں،وہ اعمال جو عامل کے اختیار و ارادہ سے صادر ہوتے ہیں اور وہ عمل کے وقت خوب جانتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے،دوسرے وہ اعمال جو عمل کے وقت اگرچہ بغیر ارادہ کے صادر ہوتے

ہیں لیکن اختیار شعور اور ارادہ کے وقت اس کے متعلق احتیاط برت سکتا ہے اور یہی وہ اعمال ہیں جن پر خیر اور شر یا اچھے اور برے ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے"۔[11]

علم الاخلاق کا فائدہ:

یہ ایک ایسا علم ہے جو انسان کو اچھے اور برے میں تمیز کرواتا ہے، اور انسانی افعال اور اعمال پر صائب وغیر کا حکم لگاتا ہے، لیکن سوال تو یہ ہے کہ کیا اس علم میں اتنی قدرت ہے کہ وہ انسانی کردار کو صالح اور مفید و کارآمد بنا دے حقیقت یہ ہے کہ اس علم میں اتنی قدرت ہے کہ وہ انسانی کردار کو صالح اور مفید و کار آمد بنادے۔ حفظ الرحمن سیوہاروی لکھتے ہیں کہ "اس کی مثال تو ایک طبیب کی سی ہے، طبیب کا اتنا فرض ہے کہ وہ مریض کو مسکرات کی خرابیوں سے واقف کر دے اور جسم و عقل پر اس کے کھانے پینے سے جو برا اثر پڑتا ہے اس کو بیان کر دے، اس کے بعد مریض کو اختیار ہے کہ اپنی صحت کی بہتری کے لئے اس سے باز رہے، یا طبیب کی بتائی ہوئی احتیاط سے بے پرواہ ہو کر اس میں مبتلا ہو جائے، ایسی حالت میں طبیب اس کو کیسے روک سکتا ہے؟ علم الاخلاق کا بھی یہی حال ہے اس کی طاقت سے تو باہر ہے کہ وہ ہر انسان کو صالح بنا دے، لیکن انسان کو اچھے اور برے میں امتیاز کراتا اور اس کی چشم عبرت کو وا کرتا ہے، تاکہ وہ خیر و شر اور اس کے آثار و لوازم کو دیکھے اور پہچانے، سو علم الاخلاق کا اس وقت تک ہم کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا جب تک ہم میں ایسی قوت ارادی موجود نہ ہو جو ہم کو علم الاخلاق کے اوامر (احکام) کے امتثال اور اس کے نواہی (ممنوعات) سے پرہیز پر آمادہ کر سکے اخلاقیات محض علم و شعور دیتی ہے، عمل کی لازما تحریک نہیں پیدا کرتی، یہ متعلقہ انسان پر ہے کہ وہ اس علم و شعور سے استفادہ کرتے ہوئے نیکیوں میں سبقت لے جائے یا پھر رذائل اخلاق کی کھائیوں میں گر پڑے، گویا اخلاقیات کی اساسی نوعیت یہ ہے کہ یہ محض اخلاقی نصب العین کا علم فراہم کرتی ہے"۔[12]

اخلاق کے بارے میں دور قدیم کے فلاسفہ یونان اور دور جدید کے فلاسفہ یورپ کے نظریات کو بیان کیا ہے اسلام کا نظریہ اخلاق ازمنہ قدیم وجدید کے نظریوں سے زیادہ بلند اور زیادہ مکمل ہے۔

اخلاق کا تعلق:

درحقیقت حسن اخلاق کا تعلق خدائے تعالیٰ اور مخلوق خدا دونوں ہی کے ساتھ وابستہ ہے اور صاحب اخلاق کہلانے کا وہی مستحق ہو سکتا ہے جو ان دونوں جانب کا پورا پورا لحاظ رکھے اور ان میں سے جس رخ میں بھی عدم اور فقدان پایا جائے گا وہ صاحب اخلاق نہیں کہلا سکتا، پس انسان کا فرض ہے کہ وہ خدائے تعالی کے حقوق کی ادائیگی میں کبھی اپنی نفس کو درمیان نہ لائے تاکہ وہ حسن خلق کے دونوں پہلوؤں میں کامیاب ثابت ہو اور اخلاق کریمانہ کا

مالک بن سکے اعتقادی فضائل میں سے ایک یہ ہے کہ: صحیح الاعتقاد ہو اور دوسرے یہ کہ اس کا اعتقاد ایسے یقینی، صاف اور روشن دلائل وبراہین پر قائم ہو کہ جس میں شک وشبہہ، اور اضطراب وتردد کا مطلق گذر نہ ہو سکے اور عملی فضائل میں سے ایک یہ کہ بری عادات کو اس طرح ترک کر دے کہ اس کی جبلت وطبیعت اس سے متنفر ہو جائے، اور ان کو قبیح سمجھنے لگے اور دوسرے یہ کہ وہ رذائل سے اس لئے پرہیز کرنے لگے کہ اس کی منزل مقصود "فضائل "فضائل تک رسائی ہے یہاں تک وہ نیک خصائل کا فطری طریق پر عادی ہو جائے اااور ان کے اثرات اور ان کی لذت اپنے اندر محسوس کرنے لگے۔[13]

خلق کے درجات:

1)ہر ایک کے ساتھ بھلائی کرنا 2)کسی کو دکھ نہ دینا3)یہ کہ انسان کو مخلوق خدا کے صحیح مقام کی معرفت حاصل ہو جائے اور اس پر یہ حقیقت آشکار ہو جائے کہ تمام مخلوق نوامیس فطرت میں جکڑی ہوئی، مختلف قوتوں میں بندھی ہوئی اور ایک بالادست ید قدرت (اللہ تعالی) کے احکام کے زیر فرمان قائم وثابت ہے، اس کیفیت سے تین "انواع خیر "عالم وجود میں آئیں گی۔اس کیفیت سے تین انواع خیر عالوجود میں آئیں گی۔

تمام مخلوق اس انسان سے امن وسلامتی میں رہے گی، انسان خدمت خلق کے ذریعہ مخلوق خدا کی فلاح ونجات تک کا باعث بن سکے گا، وہ یہ کہ خدائے تعالی کے ساتھ انسان کا معاملہ صحیح یعنی انسان اپنے ہر عمل کے متعلق یہ نہیں کرے کہ جبکہ میں فانی ہوں تو اس لئے میرے تمام بہتر سے بہتر اعمال بھی نقص سے خالی نہیں، میرا فرض ہے کہ میں حقوق وفرائض میں کوتاہی کے لئے ہر وقت درگاہ الہی میں عذر خواہ رہوں اور اس درگاہ سے جو کچھ حاصل ہو اس پر شکر ادا کرتا رہوں اور اس طرح اس کا حقیقی وفادار ثابت ہو جاؤں یہ کہ اپنی تمام زندگی کو بداخلاقیوں کی کدورت ونجات سے پاک کر کے اخلاق حسنہ کا خوگر بنوں، اور اپنے نفس کو ان کا عادی بنالوں حتیٰ کہ اس کے اعمال کی منتہائے نظر صرف رضائے الہی اور اداء فرض رہ جائے اور مخلوق کی رضاونارضا سے بالاتر ہو کر حضرت حق میں جمعیت خاطر محو ہو جائے اور وحدت الہیٰ میں غرق ہو کر تمام کائنات سے بے پرواہ بن جائے اصطلاح صوفیہ میں اس مقام کا نام حضرت جمیع ہے یہ عطیہ الہی ہے جو اس کو موہبت وفضل سے حاصل ہوتا ہے اور ایسے شخص پر فضل وکرم الہی کی ہر وقت بارش ہوتی رہتی ہے اور یہی سب سے بلند مقام ہے۔[14]

فلسفہ اخلاق کی بنیاد:

فلسفہ اخلاق کی بنیاد اسلامی تعلیمات پر ہے، وجود باری تعالی، روح، حیات ثانیہ، وحی والہام اور مقصدیت مولانا کے فلسفہ اخلاق کی بنیادیں ہیں اور بحیثیت مجموعی آپ کا تصور اخلاق اسلامی اخلاقیات ہیں، مذہب کو تقدم

حاصل ہے اور اخلاقیات کی تکوین و تدوین کی حقیقت وحدود و خصوصیات مذہب مقرر کرتا ہے، قلب کا کام یقین کرنا ہے اور عقل ان سب کی ترجمانی احساس اور لذت کو مولانا کے فلسفہ اخلاق میں ثانوی حیثیت حاصل ہے، یہ ذرائع کی فہرست میں آتے ہیں بذات خود مقاصد نہیں انسان کی انسانیت ،اس کی روحانی قلبی، وجدانی و عقلی حیثیات پر منحصر ہے۔

وجدان:

"کوئی معصوم رہبر نہیں ہے اس لئے کبھی وہ حق وواجب کے سلسلہ میں ہماری غلط راہنمائی بھی کر دیتا ہے اور اس سے خطا بھی سرزد ہو جاتی ہے اور وہ ہم کو ایسے عمل کا حکم دے بیٹھتا ہے جو کسی طرح حق یا واجب نہیں کہلایا جا سکتا، یہ اس لئے ہوتا ہے کہ وجدان اسی عمل کا حکم دیتا ہے جس کو اعتقاد انسانی واجب اور ضروری یا حق سمجھتا ہے، پس اگر یہ اعتقاد فاسد ہوتا ہے تو وجدان کا غلطی کرنا یقینی ہے "۔[15]

عقل:

وجدان کے بعد آپ انسانی عقل کے کی کوتاہی کا ذکر کرتے ہوئے ایک بہترین مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "ایک پروفیسر نے کیلیفورنیا یونیورسٹی میں ایک مجلس مذاکراہ منعقد کی اور بر سبیل تذکرہ یہ بیان کیا کہ الاسکا کہ بعض پہاڑ کیلیفورنیا کے پہاڑوں سے زیادہ بلند ہیں ختم مجلس کے بعد ایک طالب علم آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ آپ کی مجلس مذاکرہ میں بعض ایسی باتیں تھیں جن سے میرے رجحانات کو صدمہ پہنچا ہے ،ہم کیلیفورنیا کے باشندے ہرگز اس بات کو برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے کان یہ سنیں کہ کسی مقام کے پہاڑ بھی ہمارے پہاڑوں سے بلند ہیں، آپ لکھتے ہیں کہ یہ کوتاہ عقلی کی ایک روشن مثال ہے کہ اس میں اس کی وطنیت نے اتنا بھی حوصلہ نہیں چھوڑا کہ وہ یہ سن سکے کہ اس کے پہاڑوں سے دوسری جگہ کے پہاڑ بلند ہیں"۔[16]

جسم ،حواس اور جنسی تقاضے محض ہمارے حیوانیت کے ساتھ قدرتی طور پر وابستہ ہیں اور اس حد تک ان سے متعلقہ امور کو روح ،ذہن یا قلب مطمئن کے احکام کی پابندی کے ساتھ اس حیات عارضی میں بنایا جا سکتا ہے ،الغزالی کی طرح مولانا جذبات کی ہستی اور ان کی مخصوص حقیقت کے قائل ہیں ،احساس وجذبات اور جنسی لذت کا قلع قمع انفرادی یا اجتماعی طور پر انسان کی زندگی نہیں بلکہ وہ اس معنی میں قطعا غیر فطری بن جاتی ہے کہ اگر اس قسم کی کسی خوبی سے ہر شخص متصف ہو جائے تو نظام عالم قبل از وقت ہی اپنے اختتام کو پہنچ جائے گا کسی نظریہ کی سچائی اور خوبصورتی کے سلسلہ میں مولانا دو بنیادی باتوں کے قائل نظر آتے ہیں ایک یکسانیت وہمواریت اور دوسری جامعیت وہمہ گیری لیکن مولانا منطقی پابندیوں میں الجھ کر جذبہ ،شوق عشق اور جمالیاتی اور جنسی پہلوؤں کو نظر انداز نہیں

کرتے، انسان کی قوت ارادی اور اس کے ارادہ کی فطرت ونوعیت اور اس کے اختیار کے سلسلہ میں ضمنی طور پر جو کچھ کہیں اس سے اندازہ ہوسکا ہے کہ مولانا کسی حد تک علماء نفسیات کے ساتھ معلوم ہوتے ہیں، فعل اختیاری کی اچھائی برائی کے فیصلہ کے لئے میعار، مولانا اس کی بنیاد یورپ کے عہد وسطی یا عہد جدید کے فلسفیوں کے نظریات نہیں بلکہ ان کا میعار اس ارشاد نبوی ﷺ سے قائم ہوتا ہے انما الاعمال بالنیات، اعمال کے حسن وقبیح کے سلسلہ میں مولانا اسلامی طرز زندگی کو اخلاقیات کی ہدایت میں بھی اصول اخلاق اور فلسفہ اخلاق سے قریب ترین سمجھتے ہیں، جہاں انسان کچھ ایسے بنیادی امور کا مکلف ہوتا ہے، سچائی ہی دکھ نجات پانے کا راستہ ہے، اتفاق اور صلح ہی میں عافیت ہے مادی ذرائع کے استعمال میں اعتدال ہی مناسب ہے۔[17]

اخلاق کا تعلق اجتماع سے ہے:

آپ اخلاق کا تعلق اجتماعیت سے قائم کرتے ہیں، عملی طور پر اخلاق اور حسن اخلاق کے لئے ایک سے زیادہ افراد کی ضرورت ہے صرف ایک فرد واحد اگر کسی طرح تجرد کی زندگی کسی ایسے گوشے میں گزار رہا ہے جہاں دوسرے افراد کی کسی طرح رسائی نہ ہو اور وہ بھی اپنی جگہ جگہ لوگوں سے بے نیاز ہو تو اس کو زندگی نہیں کہا جاسکتا اخلاق کا سوال افراد اور جماعت کے رشتہ کے ساتھ وابستہ ہے، مولانا نے اجتماعی زندگی اور فرد جماعت کے رشتہ کو اسلام کے نظریہ اخوت اور انسانی دوستی کے تحت واضح کرکے یہ ثابت کیا کہ فرد کی انفرادیت اور جماعت سے وابستگی میں اعتدال چاہیے اور اسی اعتدالیت میں اس مسئلہ کا حل اور فرد کی خوبی پوشیدہ ہے۔[18]

قوموں کی قدر ومنزلت:

قوموں کی قدر ومنزلت کا میعار اخلاقیات کی کسوٹی پر پرکھا جاتا ہے، جو مہذب ومتمدن قوم ہوگی، یقینا اخلاقیات کے اعلیٰ مرتبہ پر ہوگی اور جو قوم غیر مہذب اور زوال پذیر ہوگی اعلیٰ مراتب پر فائز ہوگی اور جو قوم غیر مہذب اور زوال پذیر ہوگی اعلیٰ اخلاقیات کے درجات سے گرتی جائے گی، اخلاقیات معاشرتی اصلاح کے لئے اتنی اہم ہے جتنی آخرت کی فلاح کے لئے اہم ہے، حق حیات یا زندگی کا حق اور آزادی انفرادی اور اجتماعی وغیرہ حقوق کے سلسلہ میں مولانا اخلاقیات کی بنیاد تسلیم کرتے ہیں، آزادی کے مفہوم کی وضاحت، علماء متکلمین کے ساتھ ہوکر آزادی محدود کے قائل ہیں اور اخلاقی زندگی کے لئے آزادی اور حدود دونوں کو لازم خیال کرتے ہیں جبر مطلق یعنی مکمل جبر اور آزادی مطلق یعنی مکمل آزادی دونوں میں سے کسی ایک کے لئے اخلاقیات میں کوئی گنجائش نہیں، آزادی کے لفظ کے ساتھ دو الفاظ آتے ہیں آزاد اور غلام یہ الفاظ اسلامی تاریخ اور ادب کے اندر ہی خصوصیت کے ساتھ استعمال نہیں ہوئے بلکہ ان کی وابستگی اسلام سے پہلے اور بعد ظہور اسلام غیر اسلامی دنیا سے بہت کچھ رہی ہے اور آج

تک شاید نام کے فرق کے ساتھ کم و بیش بہت سی جگہ موجود ہے حقوق و فرائض اور فضائل ورذائل کے سلسلہ میں مولانا مسلمان فلاسفر کی آراء کی تائید کرتے ہیں آپ اسلام کے رواداری کے عام رجحانات سے بہت متاثر ہیں، تعاون ،امداد وایثار ایسے اوصاف اخلاقیات میں سے آپ کے نزدیک بہت اہم ہیں۔

آپ کے نزدیک علم درحقیقت اخلاق حسنہ اور درست مذہب تک پہنچنے کا ذریعہ اور دروازہ ہے اسی کے ذریعہ انسان اپنے نفس کو پہچانتا ہے اور اسی کے وسیلہ سے بلند زندگی حاصل کرلیتا ہے اور اسی کے واسطے سے اپنی ترقی کو پہنچتا ہے اور اسی کی وجہ سے نجات ابدی اور حیات سرمدی کی راہ مذہب حق کو پاتا ہے۔[19]

آپ اس کے لئے قوم بنی اسرائیل کی مثال دیتے ہیں کہ اس نے اخلاق کا دامن چھوڑا تو اس کو عبرت کا نشانہ بنادیا گیا آپ لکھتے ہیں کہ "قرآن عزیز نے جگہ جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام۔کے واقعات سے اس لئے استشہاد کیاہے کہ کہ امتوں اور قوموں کی سہل نگاری حق سے اغماز بلکہ تمردوسرکشی، مخالفت وعناد، پیغمبر کی توہین وایذارسانی اور پیغمبر کا ضبط اور گمراہ امت و قوم کی اصلاح اور ان کے رشد وہدایت کے لئے پیہم سعی اور جدوجہد کا اس قدر کثیر مواد، موعظت وبصیرت کے لئے نہیں پایا جاتا جس قدر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے واقعات میں فراہم ہے"۔[20]

عورت اور علم الاخلاق:

جدید علم الاخلاق" کے ماہرین کی جو رائے ہم نے بیان کی ہے اس کے برعکس اسلام اپنے امتیازی نصب العین اور نظام کے لحاظ سے اسلام نے عورت کے متعلق بھی اعتدال کی راہ اختیار کی ہے اور افراط و تفریط کی ظلمت سے اس کو بچایا ہے پس اسلامی "علم الاخلاق "عورت کی مختلف حیثیات سے دیکھتا ہے اور ان کے لئے جدا جدا احکام نافذ کرتا ہے، عورت انسان ہے، وہ اصناف انسانی میں سے ایک خاص صنف ہے، پھر عورت ایک فرد ہے وہ حیات اجتماعی کی ایک جز ہے۔[21]

معیشت اور اخلاق:

معیشت اخلاقیات پر اثر انداز ہوتی ہے، معیشت سے اخلاقیات کے پیمانے تبدیل ہو جاتے ہیں مگر وہ لوگ جن کے دل اسلام کے چشمہ اخلااقیات سے سیر اب ہوتے ہیں ان کے اخلاق ہمیشہ اسلام کا آئینہ رہتے ہیں قطع نظر اس بات کے کہ ان کے پاس دولت کی فراوانی ہو یا زندگی کی تنگدستی کے مراحل طے کر رہی ہو ان کے اخلاق میں کبھی بغیر اخلاقی عادات کا اضافہ نہ ہو گا۔ آپ اخلاق کو معاش کے ساتھ جوڑتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایک شخص داد و عیش کی جانب مائل ہو ااور حسب اتفاق کسی کو عطا و بخشش کر دے مگر اس کا عادی نہ ہو ،اور کسی موقع پر جمع دولت کی جانب اس کا میلان ہو اور وہ خرچ سے ہاتھ روک لے مگر اس کا بھی خوگر نہ بنا ہو تو ایسا شخص نہ کریم ہے نہ بخیل اور وہ کسی مستقل "خلق" کا مالک نہیں ہے مولانا کے مطابق ایسی "عادت" جو عارضی نوعیت کی ہو اور اس میں تغیر ممکن ہو خلق نہیں بن سکتی، خلق وہی عادت ہو گی جو مستقل نوعیت کی ہو اور تغیر و تبدل کا امکان نہ ہو خواہ وہ عادت اچھی ہو یا بری ہو، اس مفہوم کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ مولانا نے دولت خرچ کرنے کو انسان کی اخلاقی صفت میں شامل کیا ہے"۔[22]

اخلاقیات اور معاشیات کا آپس میں گہرا تعلق ہے، جہاں اخلاقیات کے بارے میں بحث ہو گی معیشت کا لازمی تذکرہ آئے گا، ذیل میں معیشت اور اخلاقیات کے تعلق کی وضاحت کرنے کے لئے مولانا نے لکھا ہے کہ "دنیا میں تمام معاشی نظام صرف دو نظریوں پر قائم ہیں اور ان ہی نظریوں پر تمام نظام ہائے معاشی کا مدار ہے، پہلا معاشی نظریہ یہ ہے کہ معاشی نظام کا منشاء زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنا ہے، یعنی سوسائٹی اور قوم وملت میں تجارت وصنعت و حرفت اور ذرائع آمدن کے لئے ایسے طریقے اختیار و ایجاد کئے جائیں جن کا مقصد اور نصب العین "نفع بازی" ہو، دوسرا نظریہ یہ ہے کہ کائنات انسانی بلکہ ہر جاندار کا بقاء و حوائج ضروریات زندگی کے پورا کئے بغیر ناممکن سرمایہ داری کی بقاء کے لئے واجب وضروری ہیں"۔[23]

اخلاق اور عدل و انصاف:

"ظلم اور ناانصافی کا تعلق اخلاق سے ہے ظلم اور ناانصافی زیادہ تر دولت کے معاملات (معاش) میں ہوتی ہے اس طرح ظلم اور ناانصافی اخلاقی صفات ہونے کے ساتھ ساتھ معیشت کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ بہت سے ایسے غیر متمدن اوور وحشی قبائل ہیں جن کا اعتقاد ہے کہ "انصاف" صرف اپنے ہی افراد کے ساتھ ضروری ہے اور غیروں کا مال چھین لینا، اور ان کا خون بہادینا، یہ کوئی ظلم یا ناانصافی کی بات نہیں، یہ تو سب کوتاہی عقل ہی کے نتائج ہیں اگر فکر کا دائرہ تنگ ہو گا تو پھر اس کے اخلاق بھی ادنیٰ اور پست ہی پیدا ہوں گے"۔[24]

اسلامی نظام حیات:

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اسلام نے زندگی کے تمام شعبہ جات ،عقائد ،عبادات ،مناجات، اقتصادیات، سیاسیات، عمرانیات، نفسیات اور اخلاقیات سے متعلق تفصیلی احکامات پیش کئے ہیں یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ہر نیا نظام بام عروج پر پہنچنے کے بعد انقلابات کا شکار ہو کر زوال پذیر ہو گئے لیکن اسلام ایک ایسا واحد نظام ہے جس نے دائرہ اسلام میں قدم رکھ دیا وہ نظام اسلامی کے اوصاف اور خوبیاں بیان کرتا ہے۔

قانون اور اخلاق:

دنیا میں معاشرتی اصلاح اور معاشرتی نظام کی کامیابی کے لئے تقریباً دو ہی ضابطے قانونی ضابطہ اور اخلاقی ضابطہ جاری رہے تھے اور جاری ہیں، قانون جس قدر مضبوط ہو اخلاقیات کا پھر بھی محتاج ہے، قانون ظاہری معاملات کی اصلاح کا ذمہ اٹھا سکتا ہے، مگر باطنی اصلاح تب ممکن ہے، جب اخلاقی ضوابط پر عمل ہو، یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اخلاقیات کو نہایت اہم معاملہ سمجھا ہے اور تفصیلات کے ساتھ ساتھ جزئیات و فروعات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

کاروباری اخلاق:

اخلاق ایسے اصولوں کا مجموعہ ہے جن کے ذریعے اچھے اور بُرے، صحیح اور غلط حق اور ناحق میں تمیز کی جاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں جو علم بھلائی اور برائی کی حقیقت کو ظاہر کرے انسانوں کو آپس میں کس طرح معاملہ کرنا چاہیے اس کو بیان کرے، لوگوں کو اپنے اعمال میں کس منتہائے غرض اور مقصد عظمیٰ کو پیش نظر رکھنا چاہیے اس کو واضح کرے اور مفید و کارآمد باتوں کی نشاندہی کرے اسے علم الاخلاق کہا جاتا ہے۔ کاروباری اخلاق دراصل علم الاخلاق کی ایک شاخ ہے جس میں اخلاقی اصولوں اور ضابطوں کو تجارتی نقطہ نگاہ سے دیکھا اور پرکھا جاتا ہے۔ اس میں کاروباری حوالے سے مختلف مسائل اور کاروباری لوگوں کی ذمہ داریوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ کاروباری اخلاق کے کچھ متعین اصول ہوتے ہیں جن کو سامنے رکھتے ہوئے کاروباری معیار بنائے جاتے ہیں اور پھر لاگو کیے جاتے ہیں اور یہ فیصلہ دیا جاتا ہے کہ کیا صحیح؟ اور کیا غلط؟ اور کیا کیا جائے؟ اور کیا نہیں کیا جائے؟ مطلب کہ کاروباری اخلاق کا تعلق کاروبار میں اچھے اور بُرے صحیح اور غلط حق اور ناحق کے مطالعہ سے ہے دوسرے نظریئے کے پیش نظر تجارت، صنعت، حرفت اور دوسرے ذرائع آمدن میں اس قسم کے تمام امور ناجائز اور سخت بد اخلاقی میں شمار ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا اجتماعی امراض کا صرف یہ علاج ہے کہ قوم وملت کا معاشی نظریہ اول (یہ کہ معاشی نظام کا منشاء زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنا، مقصد اولین صرف نفع بازی ہو) نظریہ دوم پر ہو (یہ کہ کائنات انسانی بلکہ ہر جاندار کا بقاء حوائج وضروریات زندگی کے پورا کئے بغیر ناممکن ہے اور منشاء فطرت یہ ہے کہ انسان اس ضرارت کو باہمی تعاون واشتراک سے حاصل کرے لہٰذا تجارت، صنعت و حرفت اور دیگر معاشی واقتصادی ذرائع کی بنیاد اساس اشخاص وافراد بالخصوص جماعتوں کی نفع بازی نہ ہو بلکہ عام انسانی ضروریات کی تکمیل پر ہو) اور جس حکومت کے نظام معاشی میں نظریہ اول کا دخل ہو اس کے نظام کو درہم برہم کرکے نظریہ دوم کو بروئے کار لایا جائے اور اس طرح قوم وملت سے ان امراض کا انسداد کلی کردیا جائے۔[25]

آپ نے معیشت میں ناجائز ذرائع کے استعمال کو بد اخلاقی شمار کیا ہے۔

معاشی زوال اخلاقی زوال کا باعث:

معیشت سے متعلق ایک دوسرا پہلو جو انسان کو بد اخلاقی پر آمادہ کرتی ہے وہ ان کی سستی اور کاہلی، قومی اور جسمانی قوت کو بے کار چھوڑ دینا ہے اسی وجہ سے قومیں تباہ وبرباد ہو جاتی ہیں اور وہ ناکامی کا منہ دیکھتی ہیں، اور مولانا کے مطابق انسان کے تمام اعلیٰ اوصف کو ختم کر دیتا ہے کیونکہ وہ دوسروں کے سامنے دست دراز ہونے میں عار محسوس نہیں کرے گا، اور دوسرا پہلو جب دولت ضروریات وحاجات سے زائد ہو اور انسان فکر معاش سے آزاد ہو تب اس میں بری عادات وصفات پیدا ہونے کا اندیشہ ہے اکثر وبیشتر لوگ غلط کاری، منشیات اور دیگر جرائم میں مبتلا ہو جاتے ہیں مولانا لکھتے ہیں:

"پس ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانا جماعتی بد بختی اور تباہی کا سبب بنتی ہیں"۔[26]

معاشی آسودگی سے عزت نفس کی تخلیق:

دولت انسان کے اندر عزت نفس، خودی، اور استغناء بھی پیدا کرتی ہے لیکن یہ تب ہوتا ہے جب انسان اخلاقیات کے اعلیٰ درجے پر فائز ہوتا ہے، یہی دولت اس کی زندگی میں بد اخلاقی کے لئے ڈھال بن جاتا ہے، اسلامی تعلیمات کا مقصد ہے کہ دولت ہو نہ ہو انسان کو اخلاق کے اعلیٰ اوصاف کا مظہر ہونا چاہیے مولانا لکھتے ہیں:

"اور روپیہ پیسہ کی پس اندازی اور پونجی، انسان کے نفس میں ایک ایسی قوت پیدا کر دیتی ہے کہ کسی طرح ذلت ورسوائی کو برداشت نہیں کرتا۔[27]

"اقتصادی نظام کی ترقی وبرتری کا راز سب سے زیادہ تجارت میں مضمر ہے جو قوم یا ملت جس قدر اس میں دلچسپی لیتی ہے وہ اسی قدر اپنی اقتصادی بہبود کی زیادہ خود کفیل بنتی ہے اور جس قوم یا ملک کے باشندے تجارت سے دلچسپی نہیں رکھتے وہ اقتصادی نظام میں ہمیشہ دوسروں کے دست نگر رہتے ہیں اور اسی راہ سے دوسری اقوام ان کے تمدن' تہذیب' معیشت اور سیاست بلکہ "مذہب" پر قابض ہو جاتی ہیں اور ان کو غلام بنا کر مطلق العنان حکومت کرتی ہیں۔ جس قوم میں تجارت نہیں ہے وہ آج نہیں تو کل ضرور غلام بن کر رہے گی اور جو ملک تجارت کی برکتوں سے محروم ہے وہ صبح نہیں تو شام تک ضرور ہلاکت میں گر کر تباہ ہو جائے گا۔ اسلام نے اسی لیے بار بار تجارت کی ترغیب دی ہے اس کے فضائل وبرکات سنائے' دنیوی فائدے بتائے اور دینی بشارتیں سنائیں"۔[28]

اس سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ ہے کہ بعض رذائل اخلاق دولت کی کمی کی وجہ سے پیدا ہو جاتے ہیں، اسلام نے دولت کے ناجائز ذرائع کے اکتساب کو منع کیا ہے تا کہ انسان برے کام میں مبتلا ہو کر اپنی عزت نفس سے محروم نہ ہو جائے، دولت کی ہوس سے اس کے اندر سے اعلیٰ اخلاقی اوصاف کو نکال دیتی ہے۔

سود بدترین بداخلاقی ہے:

"سود خور کی طبیعت اک اندازہ اگرچہ، اکثر وہ نہیں ہوتا جو سوال میں مذکورہ ہے تاکہ بہت سے سود خوار اپنی طبیعت میں نہایت خلیق، ملنسار اور حسن اخلاق کا نمونہ نظر آتے ہیں اور صدقہ وخیرات اور داد و دہش کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں تو پھر اس کو بداخلاقی کا پیش خیمہ کہنا کس طرح درست ہے درحقیقت "اللہ تعالیٰ حرمت سود کا حکم دے کر سود کو مٹانا چاہتا ہے اور صدقات کی ترغیب دے کر ان کی نشو نما کرتا ہے اور لوگوں میں ان کو عام کرنا چاہتا ہے لیکن ان تمام ہدایات واحکام کے باوجود جو شخص اس عمل سے باز نہیں رہتا، اس کو سمجھنا چاہیے کہ وہ "بداخلاقی" کے تاریک غار میں گر گیا ہے جہاں وہ انسانیت کی شمع فروزاں اور اس کی شعاعوں سے یکسر محروم ہے"۔[29]

اخلاقی صفات اور معیشت:

اخلاقیات کا شعبہ بہت وسیع ہے، بے شمار اعلیٰ اخلاقی صفت اور کمالات ہیں جن پر عمل پیرا ہونے کا اسلام حکم دیتا ہے "پس کرم، اعانت، احسان، اقتصاد، بخل، طمع، رشوت اور سراف یہ سب امور انسان کی مالی حالت کے متعلق ہوتے ہیں، بلکہ بعض بغیر مال کے بھی مال کی وجہ سے بعض فضائل اور رذائل عالم وجود میں آتے ہیں، مثلا بسا اوقات مقروض جھوٹ بولنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور قرضوں کا بار اس کو قرض خواہوں کے سامنے حیلہ اور بہانہ تراشنے کی نت نئی ترکیبیں بتا دیتا ہے تاکہ قرض خواہ اپنے مطالبہ میں تاخیر سے کام لے، بسا اوقات فقر و محتاجی، طرح طرح کے جرائم کا باعث اور آزادی کے لئے دشمن بن جاتے ہیں، اور روپیہ پیسہ کی پس اندازی اور پونجی انسان کے نفس میں ایک ایسی قوت پیدا کر دیتی ہے کہ کسی طرح وہ ذلت ورسوائی کو برداشت نہیں کرتا، بہر حال میانہ روی اخلاق کی مضبوطی کا سبب ہے۔[30]

"حکمت عقل کے اعتدال حسن تدبر، ذکاوت، باریک بینی، صحیح الخیالی، دقیق اعمال اور پوشیدہ آفات نفس میں تیز فہمی جیسے اخلاق پیدا ہوتے ہیں"۔[31]

تجارت اور اخلاق:

تجارت اور روپیہ پیسہ کی پس اندازی اور پونجی انسان کے نفس میں ایک ایسی قوت پیدا کر دیتی ہے کہ کسی طرح وہ ذلت ورسوائی کو برداشت نہیں کرتا بہر حال میانہ روی اخلاق کی مضبوطی کا سبب ہے لہذا حق صریح یہی ہے کہ تدبیر مال اور حسن تصرف کو اخلاق فاضلہ کی بنیادوں میں سے اہم بنیاد قرار دیا گیا ہے۔[32]

تعیشات اور اخلاق:

"اس بات سے بے خبری کہ ان کی آمدنی اور خرچ کے درمیان کیا نسبت ہے؟ اور ان کو اس طرف مطلق توجہ نہیں ہوتی کہ وہ کیا کام رہے ہیں اور کیا خرچ کر رہے ہیں اور اگر وہ کچھ خریدتے ہیں تو قطعا اس سے ناواقف ہوتے ہیں کہ ان کی مالیت اس خریداری کے بار کو برداشت بھی کر پائے گی یا نہیں؟ ہاں جب حساب کا وقت آتا ہے تب انہیں پتہ چلتا ہے کہ وہ قرض کے بار تلے دب گئے ہیں اس سے گلو خلاصی بہت دشوار ہے اسی قبیل سے بیجا، فاہیت اور خوش عیشی (تعیشات) ہے یہ بھی انسان کو کو اکثر مقروض بنا دیتی ہے"۔[33]

معاشی امور کا اخلاقی پہلو:

مالی حالت کا معیشت کے ساتھ گہرا تعلق ہے کیونکہ وہ معیشت کی بنیادیں ہوتے ہیں لیکن کچھ مالی معاملات ایسے ہیں جن کا اخلاقیات سے اتنا تعلق ہوتا ہے کہ جتنا معاشیات سے ہوتا ہے مثلا اوقاف، ہبہ، وصیت، قرض حسنہ، عاریت، اور امانت وغیرہ ایسے امور ہیں ایک طرف تو ان کا تعلق معیشت سے ہے اور دوسری طرف ان کا تعلق اخلاق سے بھی بنتا ہے۔

اصلاحی کاوشوں کے اثرات:

مولانا ان عظیم شخصیات میں سے تھے جو قوموں کی تاریخ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، آپ کی شخصیت بڑی جامع تھی، ان کے کارنامے بڑے گوناگوں ہیں، نامور سیاسی رہنما بھی تھے اور ممتاز عالم دین بھی اور مشتاق مصنف وصاحب قلم بھی وہ متعدد علمی کتابوں کے مصنف بھی تھے اور ان کی تصانیف کے انمٹ نقوش آج بھی موجود ہیں۔[34]

آپ نے اخلاق اور فلسفہ اخلاق کتاب کے اندر اسلام کے نظام اخلاق کی برتری کو دیگر نظام ہائے اخلاق پر ثابت کی اور ثابت کیا کہ اسلام کا نظام اخلاق بہترین جامع اور زندگی کے ہر دور میں زندگی کے ہر میدان میں تاقیامت ہمارے لئے راہنمائی کا کام دیتا رہے گا۔ معیشت اور اخلاق کی اصلاح دونوں کی اصلاح سے ہی ممکن ہے، جب تک اخلاق کی اصلاح نہیں ہوسکتی اور جب تک معیشت کی اصلاح نہیں ہوگی تب تک اخلاق کی اصلاح ناممکن ہے۔ معاشی کاروبار میں اخلاقیات کا بہت زیادہ اثر پڑتا ہے، اخلاقیات کی تعلیم معاشرے میں ایثار، قربانی قرض حسنہ اور امانت داری کے مظاہرے ہوتے ہیں، معاشی اصلاحات کے نفاذ کے لئے اخلاقی اوصاف کا ہونا ضروری ہے، فحاشی اور عریانی اور بدکاری پر خرچ ہونے والی دولت اعلیٰ اخلاقی تربیت کی وجہ سے بچائی جاسکتی ہے، ان کے خیال میں اخلاق کی بہتری کے لئے معاشی نظام کے ساتھ ساتھ، سیاسی اخلاقیات کا نافذ ہونا بہت زیادہ ضروری ہے کیونکہ معاشی انتظام وانصرام

کرنا حکومتی ذمہ داری ہے آپ نے حکومتی سطح پر غیر ضروری اسراف اور بیت المال کے بیجا استعمال کو منع کیا ہے۔سیاست کی اصلاح کے لئے اسلام کی معاشی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا بہت ضروری ہے،اسلامی سیاست کے نفاذ سے ہی دنیا کی معاشی خوشحالی ممکن ہے ،جدید تجارت کی کامیابی یعنی اسلامی بینکنگ کا نظام حکومت کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی ہی سے ممکن ہے۔ آپ سرمایہ دارانہ نظام پر بھی بے لاگ تبصرہ کرتے ہیں کہ یہ نظام بھی اخلاقی بنیادوں سے عاری ہے۔ آپ کے خیال میں اشتراکی نظام میں غریب اور مزدور طبقہ کا شعور بیدار ہوا اور یہی بیداری ان کو غلط فہمی میں مبتلا کر گئی اور وہ پھر غریب طبقہ ہی دوبارہ ظلم کی چکی میں پسنا شروع ہو گئے اشتراکی نظام لوگوں کو پیٹ بھر کر روٹی دیتا ہے،بس سرمایا دارانہ کی بہ نسبت یہی ایک خوبی اس میں موجود ہے ورنہ ایک چہرے کے دورخ ہیں۔ یہ نظام بھی نقص سے خالی نہیں ہیں۔

حقوق و فرائض میں کوتاہی کے لئے ہر وقت درگاہ الٰہی میں عذر خواہ رہوں اور اس درگاہ سے جو کچھ حاصل ہو اس پر شکر ادا کرتا رہوں اور اس طرح اس کا حقیقی وفادار ثابت ہو جاؤں یہ کہ اپنی تمام زندگی کو بد اخلاقیوں کی کدورت و نجات سے پاک کر کے اخلاق حسنہ کا خوگر بنے،اور اپنے نفس کو ان کا عادی بنالے حتیٰ کہ اس کے اعمال کی منتہائے نظر صرف رضائے الٰہی اور اداء فرض رہ جائے اور مخلوق کی رضاونارضا سے بالاتر ہو کر حضرت حق میں جمعیت خاطر محو ہو جائے اور وحدت الٰہی میں غرق ہو کر تمام کائنات سے بے پرواہ بن جائے، اصطلاح صوفیہ میں اس مقام کا نام حضرت جمیع ہے اور یہ عطیہ الٰہی ہے جو اس کو موہبت و فضل سے حاصل ہوتا ہے اور ایسے شخص پر فضل و کرم الٰہی کی ہر وقت بارش ہوتی رہتی ہے اور یہی سب سے بلند مقام ہے۔[35]

خلاصہ بحث:

مولانا کا فلسفہ اخلاق کی بنیاداسلامی تعلیمات پر ہے ،وجود باری تعالی ،روح،حیات ثانیہ،وحی والہام اور مقصدیت مولانا کے فلسفہ اخلاق کی بنیادیں ہیں اور بحیثیت مجموعی آپ کا تصور اخلاق اسلامی اخلاقیات ہیں،مذہب کو تقدم حاصل ہے اور اخلاقیات کی تکوین و تدوین کی حقیقت وحدود اور خصوصیات مذہب مقرر کرتا ہے، قلب کا کام یقین کرنا ہے اور عقل ان سب کی ترجمانی احساس اور لذت کو مولانا کے فلسفہ اخلاق میں ثانوی حثیت حاصل ہے،یہ ذرائع کی فہرست میں آتے ہیں بذات خود مقاصد نہیں،انسان کی انسانیت،اس کی روحانی قلبی،وجدانی و عقلی حثیات پر منحصر ہے، جسم،حواس اور جنسی تقاضے محض ہمارے حیوانیت کے ساتھ قدرتی طور پر وابستہ ہیں اور اس حد تک ان سے متعلقہ امور کو روح،ذہن یا قلب مطمئن کے احکام کی پابندی کے ساتھ اس حیات عارضی میں بنایا جا سکتا ہے ،الغزالی کی طرح مولانا جذبات کی ہستی اور ان کی مخصوص حقیقت کے قائل ہیں،احساس وجذبات اور جنسی لذت کا

قلع قمع انفرادی یا اجتماعی طور پر انسان کی زندگی نہیں بلکہ وہ اس معنی میں قطعاً غیر فطری بن جاتی ہے کہ اگر اس قسم کی کسی خوبی سے ہر شخص متصف ہو جائے تو نظام عالم قبل از وقت ہی اپنے کبھی نہ رکنے والے اختتام کو پہنچ جائے گا۔

مولانا اسلامی طرز زندگی کو اخلاقیات کی ہدایت میں بھی اصول اخلاق اور فلسفہ اخلاق سے قریب ترین سمجھتے ہیں، جہاں انسان کچھ ایسے بنیادی امور کا مکلف ہوتا ہے، سچائی ہی دکھ نجات پانے کا راستہ ہے، اتفاق اور صلح ہی میں عافیت ہے مادی ذرائع کے استعمال میں اعتدال ہی ان کا مناسب استعمال ہے آپ اخلاق کا تعلق اجتماع سے قائم کرتے ہیں، عملی طور پر اخلاق اور حسن اخلاق کے لئے ایک سے زیادہ افراد کی ضرورت ہے صرف ایک فرد واحد اگر کسی طرح تجرد کی زندگی کسی ایسے گوشے میں گزار رہا ہے جہاں دوسرے افراد کی کسی طرح رسائی نہ ہو اور وہ بھی اپنی جگہ جگہ لوگوں سے بے نیاز ہو تو اس کو زندگی نہیں کہا جا سکتا اخلاق کا سوال افراد اور جماعت کے رشتہ کے ساتھ وابستہ ہے، آپ نے معاشرے کی کامیابی کا معیار اخلاق حسنہ کو قرار دیا ہے، اور وہ اخلاق حسنہ نبی ﷺ کے اخلاق حسنہ کی مانند ہو۔

حواشی

[1] جمیل الرحمن، مفتی، الجمیعہ (روزنامہ) مجاہد ملت نمبر، دھلی، فروری 1963ء، ص259

[2] بیس بڑے مسلمان، ص 911

[3] شاہجہان پوری، ابو سلمان، ڈاکٹر، مولانا حفظ الرحمن ایک سیاسی مطالعہ، جمعیۃ پبلی کیشنز، لاہور، 2001ء، ص 31

[4] زین العابدین میرٹھی، مجاہد ملت ایک مصنف کی حیثیت سے، ادارہ اسلامیات لاہور، 1958ء، ص356

[5] بیس بڑے مسلمان، ص953

[6] مجاہد ملت حفظ الرحمن ایک سیاسی مطالعہ، ص365

[7]

[8] روزنامہ الجمیعہ، دہلی، مجاہد ملت نمبر، ص306

[9] ندوی، ابوالحسن علی، پرانے چراغ، مجلس نشریات اسلام، کراچی، 1977ء، ص70

[10] اخلاق و فلسفہ اخلاق، ص2

[11] اخلاق اور فلسفہ اخلاق، ص6

[12] ایضاً، ص7

[13] اخلاق اور فلسفہ اخلاق، ص486

[14] ایضاً، ص80

[15] اخلاق اور فلسفہ اخلاق، ص94

[16] ایضاً، ص84

[17] ایضاً، ص100

[18] اخلاق اور فلسفہ اخلاق، ص105

[19] ایضاً، ص271

[20] حفظ الرحمن سیوہاروی، قصص القرآن، ندوۃ العلماء دہلی، 1965ء، ص556

[21] ایضاً، ص279

[22] اخلاق اور فلسفہ اخلاق، ص81

[23] حفظ الرحمن سیوہاروی، اسلام کا اقتصادی نظام، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، 1358ھ، ص50

[24] ایضاً، ص83

[25] اخلاق اور فلسفہ اخلاق، ص540

[26] ایضاً، ص423

[27] اخلاق اور فلسفہ اخلاقً، ص391

[28] اسلام کا اقتصادی نظام، ص242–244

[29] ایضاً، ص270

[30] اخلاق اور فلسفہ اخلاق، ص391

[31] ایضاً، ص452

[32] ایضاً، ص391

[33] ایضاً، ص396

[34] معین الدین ندوی، روزنامہ الجمعیہ، ص153

[35] اخلاق اور فلسفہ اخلاق، ص488